شمارہ
۱۴

۱۶؍مئی تا ۳۱؍مئی ۲۰۲۶ء

پندرہ روزہ

آن لائن

اُردو گلبن (جدہ)

(خالص ادبی و معاشرتی رسالہ)

ہم نے خوشبو کے بند کھول دیئے
اب ہوا تیری ذمہ داری ہے

مدیر منتظم: مہتاب قدر

پندرہ روزہ

اُردو گلبن

(خالص ادبی ومعاشرتی رسالہ)

مجلس ادارت

پروفیسر ارتضٰی کریم

مہتاب قدر

مرزا محمد نواب

افسر حسین

اسلم افغانی

تاشقین سیّد

فیصل طفیل

مجلس مشاورت

نعیم جاوید	(دمام الخبر)
افتخار راغب	(ریاض)
محمد سیف الدین	(ریاض)
ناصر برنی	(ینبع)
محمد ہاشم علی	(حیدرآباد)
سراج وہاب	(جدہ)
افسر فہیم	(امریکہ)
دانش عبدالغفور	(ریاض)
مسعود حساس	(کویت)
عزیز الرب علیگ	(جدہ)
اعجاز شاہین	(امارات)

اشاعت کی شرائط

۱۔ مضمون زبان وبیان کے اعتبار سے مبہم اور پیچیدہ نہ ہو۔

۲۔ مضمون کا زیادہ تر مواد ماخوذ ومستفاد نہ ہو اور حوالے ساتھ نقل کیے جائیں۔

۳۔ مضمون میں موضوع سے متعلق کماحقہ احاطہ کیا گیا ہو۔

۴۔ اقتباسات/ اشعار ضرورت سے زیادہ نہ ہوں، مضمون نگار کی اپنی تحریر زیادہ ہو۔

۵۔ مضمون رسالہ کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو؛ یعنی تحریر سے کسی کی دل آزاری یا ہجو مقصود نہ ہو ۔

۶۔ مضمون میں ترجیحاً کوئی نیا زاویہ یا نئی جہت ہونی چاہیے۔

۷۔ مضمون نہایت مختصر یا بہت طویل نہ ہو۔

۸۔ مضمون نگار اپنی پاسپورٹ سائز تصویر، پورا پتہ، اور مراسلت کے لیے ای میل وفون نمبر بھی ارسال فرمائیں ۔

Email: mahtabqadr@gmail.com

Whatsapp: +966 50 132 9193

تزئین کار

محمد سلیمان طاہر

حُسنِ ترتیب

عنوان	مصنف	صفحہ
قرآنی آیت		4
حدیث نبوی (ﷺ)		4
اداریہ: ''اتحاد اور اسلام''	مہتاب قدر (جدہ)	5
اَیَّامًا مَّعْدُوْدَات	اطہر عباسی (جدہ)	6
نعت، در بارگاہِ نبی (ﷺ) ''حاجیو! کرنا خدا کے واسطے میرا یہ کام''	محمد شہزاد تھے پوری (بجنور)	6
نعت رسول (ﷺ) ''نہ پوچھو کہ کیا کیا اُدھر دیکھ آئے''	مہر النساء مہرو (بیجاپور)	6
مضامین		
منشی پریم چند: ذہن، زمانہ اور آرٹ	جاوید احمد خان (مہاراشٹر)	7
صحبت کا اثر: تعلقات کا انتخاب اور شخصیت کی تعمیر	سلیم خان (امریکا)	9
ادبی بیساکھی	ڈاکٹر گوہر مسعود	11
ماں! رحمتِ خداوندی کا عظیم استعارہ	یاسمین اختر طوبیٰ (پاکستان)	12
(غزلیں)		
آج بھی تیرا انتظار رہا	سلیم کاوش (ریاض)	14
ہم مر گئے، ملال کسی نے نہیں کیا	ریاض انور بلڈوانوی	14
گزر گیا جو زمانہ عجیب لگتا ہے	نگار عظیم	14
(افسانے)		
آئینہ جب دکھایا مستقبل	ڈاکٹر انجم شکیل احمد (مدینہ منورہ)	15
سماجی جہدکار	مہتاب قدر (جدہ)	17
(قلم قافلہ)		
سید ندیم اختر قاسمی		18
(ادبی خبر)		
ایک عہد کا اختتام: ڈاکٹر محمد گوہر کی رحلت اُردو صحافت کا ناقابل تلافی نقصان	اسلم رحمانی (نئی دہلی)	19
''تم تو ٹھہرے پردیسی'' کے خالق شاعر ظہیر عالم سے ملاقات	ڈاکٹر اظہر حیات	20
شکاگو میں آرا کا منعقدہ مشاعرہ	عبدالرحمٰن سلیم (شکاگو)	21
آہ! ظہیر عالم رحلت کر گئے		22

متقیوں کی صفت

قرآنی آیت

سورہ آل عمران (آیت 135) میں اہلِ ایمان کی نشانی بتائی گئی ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط

ترجمہ: ”یعنی وہ غصہ پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں“۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہدایت: سورہ الاعراف (آیت 199) میں فرمایا گیا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْن

ترجمہ: ”(اے حبیب!) عفوودرگزر اختیار کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کریں“۔

حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

معافی پر عزت اور اجر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا

ترجمہ: ”معاف کرنے والے کی اللہ تعالیٰ عزت بڑھا دیتے ہیں“۔ (صحیح مسلم، 6757)

رحم اور معافی کا حکم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

”تم مخلوق پر رحم کرو اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور تم لوگوں کو معاف کرو اللہ تمہیں معاف کرے گا“ (مسند احمد)۔

شعر

نہ کہیں جہاں میں اماں مِلی ، جو اماں مِلی تو کہاں مِلی
مرے جُرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں
(علامہ محمد اقبال)

اداریہ

اتحاد اور اسلام

دینِ اسلام میں اتحاد اور تعلق قائم رکھنے کا بہترین نظام موجود ہے۔ روزانہ پانچ مرتبہ اکٹھے ہو کر نماز پڑھنا ایک محلے کے ساکنان کی ذمہ داری ہے۔ چند اور محلے والے یا پورے شہر کا حکم یہ ہے کہ جمعہ کو مسجد میں جمع ہو کر اپنے رب کے سامنے اپنی یکجہتی کے اظہار میں سر جھکائیں۔ سال میں دو دفعہ عیدین کے موقع پر پورے خطہ کے مسلمان اتحاد و یگانگت کا شاندار مظاہرہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ معانقہ کر کے دل کی کدورتوں کو دُور کرتے ہیں۔ سال میں ایک دفعہ حسبِ استطاعت حج کے لئے پورے عالم کے مسلمان جمع ہوتے اور شامل نہ ہو سکے مسلمانوں کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ اسلام کا نظریہ تو یہ ہے کہ کسی کو ملک، نسل، رنگ و زبان اور مال و متاع کی وجہ سے کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں افضل وہ ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ زکوٰۃ و فطرہ کے احکام اور خیرات کی ترغیب کے ذریعے خیر خواہی اور خوشیاں تقسیم کرنے کا نظام بنایا گیا ہے۔

اتنے مربوط اور منظم دین و مذہب کو ماننے والے آج کیوں تفرقے اور انتشار کا شکار ہیں۔ کیا ہم ایسے وقت میں بھی متحد نہیں ہو سکتے جب ساری قومیں ہم پر ایسے جھپٹ رہی ہیں جیسے بھوکے دسترخوان پر جھپٹے ہیں۔

کاش کاش!

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر

مہتاب قدر
(جدّہ)

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ

اطہر عبّاسی

(جدہ)

جلا کر شمعِ توحید اطہر
ہماری روح کو بالیدگی اور تازگی دے کر
ہمیں راہِ ہدایت کے سبھی رستے دکھا کر فضیلت
کے یہ دن بھی ہو گئے رخصت

ہمارے نامہِ اعمال میں
گنتی کے یہ دن
رفاقت کے سفر نامے کی صورت جگمگاتے ہیں
عبادت کا ہر اک لمحہ سجاتے ہیں
محبت کے حسیں خلوت کے لمحے
گل کھلاتے ہیں

ہمارے نامہِ اعمال میں
گنتی کے یہ دن
ہمیں بارانِ رحمت سے معطر کر رہے ہیں

مبارک نعمتِ عظمیٰ
فضیلت میں بہت اعلیٰ
مہِ رمضان کا موسم
بہارِ جاویداں دے کر
بچھڑنا چاہتا ہے
پر، ہمیں اس سے محبت ہو گئی ہے
سدا من میں مہکتے
گل کھلاتے مسکراتے

ہمارے نامہِ اعمال میں
گنتی کے یہ دن
جلا کر شمعِ توحید اطہر
ہمیشہ روشنی لکھتے رہیں گے

نعت در بارگاہِ نبی ﷺ

محمد شہزاد تھے پوری

(بجنور)

حاجیو! کرنا خدا کے واسطے میرا یہ کام
عرض کرنا سرورِ کون و مکاں سے تم سلام

ہو سکے تو یہ سنانا آپ ﷺ کو میرا پیام
اور کہنا در پہ آنے کو تڑپتا ہے غلام

روضہء اقدس پہ کہنا با ادب آقا ﷺ سے یہ
آپ محشر میں پلانا ہم کو بھی کوثر کا جام

ہے اذیت میں مرے آقا ﷺ یہ امت آپ کی
عرض رب سے کیجئے اب آپ ہی خیر الانام

آپ سے جو خاک مَس ہے عرش سے افضل ہے وہ
یہ عقیدہ ہے ہمارا اے رسولوں کے امام

منتظر ہے اس مبارک دور کا شہزؔاد بھی
ہو گا نافذ کب جہاں میں آپ کا آقا ﷺ نظام

نعت رسول (ﷺ)

مہرالنّساء مہرو

(بیجاپور۔کرناٹک)

نہ پوچھو کہ کیا کیا اُدھر دیکھ آئے
ہم اپنے نبی ﷺ کا وہ در دیکھ آئے۔

نبی ﷺ کے زمانے کے گھر دیکھ آئے
پرانے گھروں کے کھنڈر دیکھ آئے

نہیں دل میں حسرت کہ کچھ اور دیکھیں
محمد ﷺ کا جب سے وہ گھر دیکھ آئے

جو مانگی تھیں ہم نے وہاں پر دعائیں
دعاؤں میں اپنی اثر دیکھ آئے

جسے کہتے ہیں باغِ جنّت کا حصّہ
اسی پر جھکا اپنا سر دیکھ آئے

جنہیں آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے سینچا
کھجوروں کے وہ بھی شجر دیکھ آئے

خدا کا یہ احسان ہے ہم پہ مہروؔ
اسی سال طیبہ نگر دیکھ آئے

مُنشی پریم چند: ذہن، زمانہ اور آرٹ

جاوید احمد خان
(مہاراشٹر)

مُنشی پریم چند (1880-1936) اُردو و ہندی ادب کے وہ عظیم فنکار ہیں جنہوں نے ہندوستانی معاشرت کی حقیقتوں کو فن کے آئینے میں اس طرح پیش کیا کہ ان کی تحریریں آج بھی زندہ اور مؤثر محسوس ہوتی ہیں۔ پریم چند کا ذہن، اُن کا زمانہ اور اُن کا آرٹ تین ایسے بنیادی عناصر ہیں جن کے باہمی ربط کے بغیر اُن کے فن کی اصل معنویت کو سمجھنا ممکن نہیں۔ پریم چند کا ذہنی ارتقا اُن کے ذاتی تجربات اور مشاہدات سے جڑا ہوا تھا، جبکہ اُسی ذہن نے اُن کے زمانے کے سیاسی و سماجی انتشار کو اپنے فن کے ذریعے ایک نئی جہت عطا کی۔ یہ تحقیقی مقالہ انہی تینوں پہلوؤں کا جامع مطالعہ پیش کرتا ہے تاکہ پریم چند کی فکری و فنی عظمت کا ادراک ہو سکے۔

پریم چند کا ذہنی پس منظر

پریم چند کے ذہن کی تعمیر میں ان کا خاندانی ماحول، مذہبی تربیت، تعلیمی پس منظر اور معاشرتی مشاہدات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اُن کی ابتدائی زندگی مالی مشکلات اور گھریلو ذمہ داریوں میں گزری، جس نے اُن کے ذہن کو بہت جلد حقیقتِ زندگی سے روشناس کرا دیا۔ کم سنی میں والدین کی جدائی اور غربت جیسے تجربات نے ان کے اندر وہ احساسِ درد پیدا کیا جو بعد میں اُن کی تمام تحریروں میں جھلکتا نظر آتا ہے۔

وہ پیدائشی طور پر حساس، مشاہدہ کار اور مطالعہ کے شوقین تھے۔ فارسی اور اردو کلاسیکی ادب کے مطالعے نے اُن کی ذہنی بالیدگی میں اضافہ کیا جبکہ جدید تعلیم نے اُن کی فکر کو ایک نئی سمت عطا کی۔ یہ دونوں عوامل مل کر اُن کے ذہن میں ایک ایسا تخلیقی شعور پیدا کیا جو سماجی ناہمواریوں اور انسانی دکھوں کو شدت سے محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

ذہنی تربیت اور فکری وسعت

پریم چند نے کم عمری ہی میں انسانی نفسیات اور معاشرتی تضادات کو نہایت باریکی سے سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ انسان کی تکلیف کو محض جذباتی سطح پر محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ اسے عقلی سطح پر بھی سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں جذبات اور عقل کا ایک خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ اُن کے ذہن کی تربیت میں مذہبی اخلاقیات اور انسانی ہمدردی اہم عنصر تھے، جنہوں نے انہیں روایتی ادیب کے بجائے ایک سماجی رہنما کی حیثیت عطا کی۔

پریم چند کا زمانہ اور اس کے اثرات

پریم چند کا عہد ہندوستان کی تاریخ کا شدید سیاسی، معاشی اور سماجی انتشار کا دور تھا۔ برطانوی استعمار کا غلبہ، معاشی غلامی، جاگیردارانہ ظلم، ذات پات کی تقسیم، عورت کی محکومی، مذہبی فرقہ واریت، کسانوں اور مزدوروں کی بدحالی، یہ سب عوامل اُس دور کے سب سے بڑے مسائل تھے۔

سیاسی فضا

انیسویں صدی کے آخری عشروں اور بیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں میں ہندوستان تحریکِ آزادی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ 1905 کی بنگال کی تقسیم، 1919 کا جلیانوالہ باغ قتلِ عام، رولٹ ایکٹ، اور گاندھی جی کی عدم تعاون و عدمِ تشدد کی تحریکوں نے پورے

ملک کو ایک نئی سمت دی۔ پریم چند ان تمام سیاسی تحریکوں سے متاثر ہوئے، مگر ان کا نقطۂ نظر ادبی تھا؛ وہ سیاست دان نہیں تھے بلکہ سیاسی شعور رکھنے والے ادیب تھے۔

سماجی صورتِ حال

سماجی سطح پر ذات پات کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ چھوت چھات اور مذہبی تعصّبات کی بنیاد پر لاکھوں لوگ محرومی کا شکار تھے۔ عورت کا مقام کمزور اور محدود تھا۔ دیہات میں کسان اور مزدور جاگیردارانہ ظلم کا سامنا کر رہے تھے۔ پریم چند نے اپنے مشاہدات میں ان سب حقیقتوں کو دیکھا اور انہیں اپنی تحریروں میں موضوع بنایا۔

معاشی حالات

استعماری معاشی نظام نے ہندوستان کے کسانوں کی کمر توڑ دی تھی۔ بھاری لگان، قرض، سودخوری اور قحط جیسی مشکلات نے عوام کو شدید تکالیف میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ پریم چند کا ناول ''گؤدان'' انہی معاشی مسائل کی بہترین تمثیل ہے جس میں ہوری جیسے کردار کے ذریعے پورے ہندوستانی کسان کی کہانی بیان ہوتی ہے۔

پریم چند کا آرٹ (ادبی وفنی شعور)

پریم چند کے فن کی سب سے بڑی خوبی حقیقت نگاری ہے، مگر اس حقیقت نگاری میں خشکیت نہیں بلکہ انسانیت کی حرارت موجود ہے۔ ان کے فن کی چند بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:

حقیقت نگاری اور سماجی شعور

پریم چند نے اپنے فن کے ذریعے ہندوستان کی سماجی حقیقتوں کو بے نقاب کیا۔ وہ دیہی زندگی کے معاملات کو محض بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے اندر موجود سیاسی و معاشی نظام کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ ان کی حقیقت نگاری عام سا بیان نہیں بلکہ ایک شعوری اور بیدار حقیقت نگاری ہے۔

کردار نگاری

اُن کے کردار محض کہانی کا حصہ نہیں بلکہ سماج کی علامتیں ہیں۔ ہوری، درگا، حمید، سکینہ، جوگیا اور دوسرے کردار سماج کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ کرداروں کے ذہنی و جذباتی ارتقاء کو نہایت باریکی سے دکھاتے ہیں، جس سے اُن کی فکشن کو نفسیاتی گہرائی حاصل ہوتی ہے۔

زبان وبیان

پریم چند کی زبان سادگی، روانی اور فطری اظہار کا پیکر ہے۔ وہ عوامی محاورات اور بول چال کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تا کہ کہانی اپنے ماحول کے مطابق محسوس ہو۔ ان کی تحریروں میں نہ بناوٹ ہے نہ تصنع، بلکہ سادگی میں ایک دل نشین تاثیر پائی جاتی ہے۔

فکری وموضوعاتی وسعت

سماجی انصاف، معاشی استحصال، مذہبی ہم آہنگی، اخلاقی کشمکش، عورت کے حقوق، طبقاتی تقسیم، یہ سب موضوعات پریم چند کے فن میں جگہ پاتے ہیں۔ ان کی تحریریں کسی ایک طبقے یا مسئلے تک محدود نہیں بلکہ پورے ہندوستانی معاشرے کا کینوس پیش کرتی ہیں۔

ذہن، زمانہ اور آرٹ کا باہمی ربط

پریم چند کے ذہن م، زمانے اور آرٹ کے درمیان گہرا اور فطری تعلق ہے۔ ان کا ذہن حسّاس اور ہمدرد تھا، جس نے سماج کے درد کو محسوس کیا۔ اُن کا زمانہ سیاسی وسماجی انتشار کا دور تھا، جس نے ان کے تجربات کو گہرا اور وسیع کیا۔ جبکہ اُن کا فن ان سب کا حسین امتزاج ہے، جس کے ذریعے انہوں نے اپنے ذہنی وسماجی شعور کو شکل دی۔

یہ تینوں عناصر ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں، ذہن تجربے کے بغیر ادھورا، زمانہ مشاہدے کے بغیر غیر مؤثر، اور آرٹ شعور کے بغیر بے جان۔ پریم چند نے ان تینوں کو اس خوبصورتی سے یکجا کیا کہ ان کا ادب آج بھی حقیقت اور انسانیت کا روشن مینار محسوس ہوتا ہے۔

پریم چند کا فن اُن کے ذہن اور زمانے کی مشترکہ پیداوار ہے۔ وہ محض ایک ادیب نہیں بلکہ ایک سماجی مصلح، انسانی قدروں کے محافظ اور سماجی انصاف کے داعی تھے۔ ان کے ذہن کی وسعت، زمانے کی پیچیدگیاں اور فن کی سادگی، یہ تینوں مل کر ایک ایسا ادبی سرمایہ تخلیق کرتے ہیں جو آج بھی پوری دنیا میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُن کی تحریریں ہمیں یہ پیغام دیتی ہیں کہ ادب کا اصل مقصد انسان اور انسانیت کی خدمت ہے۔

سلیم خان
(ہیوسٹن (ٹیکساس)، امریکا)

صحبت کا اثر

تعلقات کا انتخاب اور شخصیت کی تعمیر

انسان اپنی فطرت میں سماجی مخلوق ہے اور اس کی شخصیت محض اس کے اپنے خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ اس ماحول اور صحبت کا عکس بھی ہوتی ہے جس میں وہ وقت گزارتا ہے۔روزمرہ زندگی میں ہم جن لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، ان کے اندازِ فکر، گفتگو اور عادات غیر محسوس طریقے سے ہماری سوچ کا حصہ بنتی چلی جاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے انسان اپنی صحبت کا مجموعہ ہوتا ہے۔

اگر یہ صحبت مثبت، باہمت اور تعمیری ہو تو انسان کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں، لیکن اگر یہی حلقہ منفی سوچ، بے مقصد گفتگو اور حسد جیسے رویّوں سے بھرپور ہو تو یہ آہستہ آہستہ شخصیت کو اندر سے کھوکھلا کر دیتا ہے۔

معاشرے میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو ہر حال میں شکایت کا پہلو تلاش کرتے ہیں۔ یہ لوگ حالات جیسے بھی ہوں، ان میں بہتری کے بجائے خرابی ہی دیکھتے ہیں، اور یہی منفی زاویۂ نگاہ دوسروں تک بھی منتقل کرتے رہتے ہیں۔اسی طرح کچھ لوگ دوسروں کے خوابوں اور ارادوں کو حقیقت بننے سے پہلے ہی ناممکن قرار دے دیتے ہیں۔وہ اپنی کم ہمتی کو تجربہ یا حقیقت پسندی کا نام دے کر دوسروں کے حوصلے پست کرتے ہیں، حالانکہ ترقی ہمیشہ اُنہی لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو ناممکن کو ممکن بنانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس، کچھ افراد کی دلچسپی لوگوں کے کردار پر گفتگو کرنے میں ہوتی ہے نہ کہ خیالات یا علم

ایک اور پہلو وہ ہے جہاں انسان اپنی ناکامیوں کی ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے دوسروں پر ڈال دیتا ہے۔ ایسے رویّے انسان کو سیکھنے اور آگے بڑھنے سے روکتے ہیں، کیونکہ اصلاح کا پہلا قدم اپنی غلطی کو تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ افراد بھی کم نقصان دہ نہیں جو دوسروں کے وقت اور توانائی کو غیر اہم سمجھتے ہیں، بے مقصد مصروفیات میں الجھا کر زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کر دیتے ہیں۔ وقت دراصل زندگی کا دوسرا نام ہے، اور جو اس کی قدر نہیں کرتا وہ درحقیقت زندگی کی قدر نہیں کرتا۔

بعض تعلقات بظاہر مخلص نظر آتے ہیں مگر ان کے پیچھے حسد اور مقابلہ بازی چھپی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ تعریف کے پردے میں طنز چھپا کر دوسروں کے اعتماد کو مجروح کرتے ہیں۔ اسی طرح خود کو سب کچھ جاننے والا سمجھنے والے افراد نہ صرف اپنی ترقی کا راستہ بند کرتے ہیں بلکہ دوسروں کی رائے کو بھی نظرانداز کر کے ایک محدود فکری دائرے میں قید ہو جاتے ہیں۔ معاشرتی سطح پر یہ رویّہ مکالمے اور سیکھنے کے عمل کو کمزور کر دیتا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض تعلقات مفاد کے گرد گھومتے ہیں، جہاں ایک فرد مسلسل لینے والا اور دوسرا دینے والا بن جاتا ہے۔ ایسے تعلقات وقتی طور پر قائم تو رہ سکتے ہیں مگر دیرپا سکون فراہم نہیں کرتے۔ کچھ لوگ ہر معمولی بات کو غیر ضروری جذباتی ردِعمل میں بدل دیتے ہیں، جس سے نہ صرف ماحول بوجھل ہو جاتا ہے بلکہ اردگرد کے افراد کی ذہنی توانائی بھی متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو ہمیشہ محفوظ دائرے میں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں، نہ صرف خود آگے نہیں بڑھتے بلکہ دوسروں کو بھی خطرہ مول لینے سے روکتے ہیں، حالانکہ ترقی ہمیشہ دائرۂ سکون سے باہر نکلنے کا تقاضا کرتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں بغیر تجربے کے مشورے دینے کا رجحان بھی عام ہے، جو اکثر مسائل کو حل کرنے کے بجائے مزید الجھا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ افراد ماضی کی یادوں میں اس قدر گم رہتے ہیں کہ حال اور مستقبل کی منصوبہ بندی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ خوشامد کرنے والے لوگ بھی ایک خاموش نقصان کا سبب بنتے ہیں، کیونکہ وہ سچائی کے بجائے وقتی تعریف کو ترجیح دے کر شخصیت کی اصل نشوونما میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ مزید برآں، قلیل مدتی فائدے پر نظر رکھنے والے افراد طویل مدتی کامیابی کے اصولوں سے دور رہتے ہیں، اور ان کی صحبت انسان کو بھی اسی طرزِ فکر کی طرف مائل کر دیتی ہے۔ سب سے زیادہ پیچیدہ وہ رویّے ہیں جہاں جذبات کو بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے، اور انسان کو احساسِ جرم میں مبتلا کر کے اس سے اپنی مرضی کے فیصلے کروائے جاتے ہیں۔

ان تمام پہلوؤں کے باوجود یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ انسان کامل نہیں۔ ہر فرد کسی نہ کسی مرحلے پر کمزوری کا شکار ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دوسروں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہم اپنی ذات کا جائزہ بھی لیتے رہیں۔ اصل دانشمندی یہی ہے کہ ہم ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جو ہمیں بہتر انسان بننے میں مدد دیں، جو ہماری غلطیوں کی نشاندہی کریں اور ہمیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیں۔

آخرکار، تعلقات کا مقصد محض وقت گزارنا نہیں بلکہ شخصیت کی تعمیر ہونا چاہیے۔ اگر کسی مرحلے پر ہمیں اپنے حلقے میں تبدیلی لانی پڑے تو اسے بے وفائی نہیں بلکہ شعوری فیصلہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ بعض اوقات تنہا رہنا، غلط صحبت میں رہنے سے کہیں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتا ہے، اور یہی انتخاب انسان کو ایک مضبوط، باوقار اور متوازن شخصیت کی طرف لے جاتا ہے۔

ادبی بیساکھی

ڈاکٹر گوہر مسعود

کوئی بھی تنقید کرتے وقت ناقد کو سرمایہء ادب کے ساتھ اسکے معیار، ماحول، اور منسلکات پر بھی نگاہ رکھنا چاہئے نیز اس کے نقد وتفحص میں نہ ہی تعصب برتنا چاہئے اور نہ ہی ہمدردی، بس ایمانداری کے ساتھ اپنے تاثرات قلم بند کر دینا چاہیے محض تعلقات کی بنا پر توصیفی مضامین لکھوا کر ادبی شخصیتوں کو بیساکھیوں کے طور پر کب تک استعمال کیا جاتا رہے گا کیوں کہ ادبی خدمات اور اس کے معیار پر ہی شخصیت کا تعین ہوتا ہے نہ کہ تعلقات پر۔

اکثر ایسے بھی شعرا ہیں جن کو استادی کا ہوکا ہے اغلبا ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاگردوں کی جتنی زیادہ تعداد ہوگی اُن کا قد اتنا ہی بلند ہوگا اس کے برعکس وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ شاگردوں کے سارے اسقام و معائب بھی اُن کے گلے کی ہڈی بن جائیں گے مثال کے طور پر فتح پور یوپی کی ایک نشست کا واقعہ ہے جس میں کراچی پاکستان کے بھی ایک شاعر موجود تھے" ایک بزرگ شاگرد اور اُن کے استاد دونوں ہی موجود تھے شاگرد نے ایک مصرع میں" واجب الرحم" نظم کر دیا تھا یہ ایک سقم ہے جسے" ذم" کہتے ہیں سامعین میں سے کسی نے برجستہ کہا واہ استاد واہ اس فقرے پر سبھی ہنس پڑے یہ بات استاد کو اتنی ناگوار گزری کہ فورا کھڑے ہوکر کہا شاگرد نے یہ کلام مجھے نہیں دکھایا تھا اور آج سے نہ یہ میرے شاگرد نہ میں ان کا استاد" تو ایسی استادی بھی کس کام کی ،شاگرد کی اصلاح کے بجائے آن واحد میں عاق کرنا پڑے۔

اس کے برعکس ڈاکٹر بشیر بدر نے مرحوم حامد فتح پوری سے اصلاح لی لیکن اساتذہ کے ضمن میں کہیں بھی اپنے استاد حامد فتح پوری کا ذکر نہیں کیا۔ اگر کوئی شاعر، ادیب یا فنکار مبدہٗ فیاض کی جانب سے اعلی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوا ہے تو اس کو کسی بھی استاد کی ضرورت ہی نہیں بالفرض کسی کو ایسا شاگرد مل ہی جائے تو وہ استاد کے لیے درۃ التاج ثابت ہوگا جیسے سقراط کو افلاطون (پلیٹو) افلاطون کو ارسطو، ارسطو کو سکندر ،دروڑاچاریہ کو ارجن، غالب کو حالی اور ذوق کو محمد حسین آزاد مل گئے۔

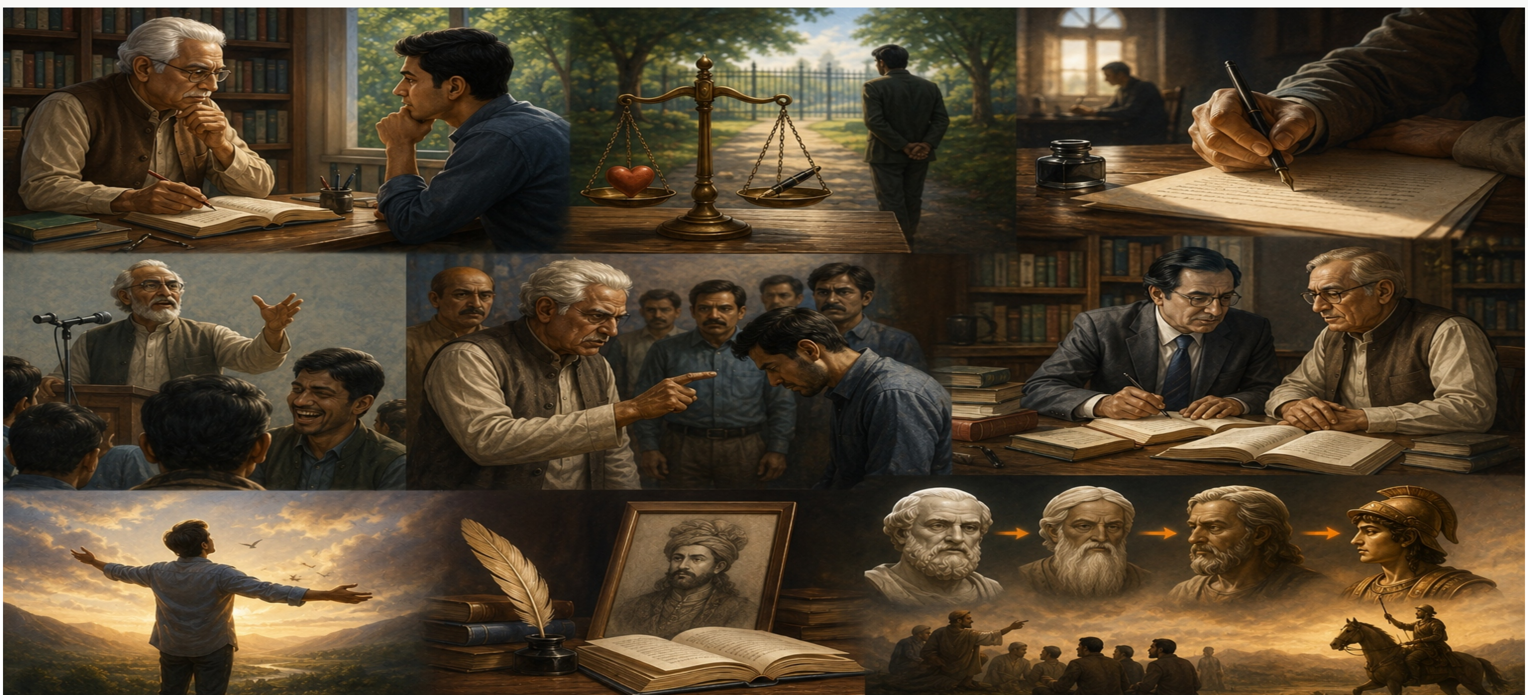

یاسمین اختر طوبیٰ
(گوجرہ، پاکستان)

ماں

رحمتِ خداوندی کا عظیم استعارہ

عالمی یومِ ماں (10 مئی) کے موقع پر دنیا بھر کی ماؤں کو خراجِ تحسین

میری چاہت کا جو جہاں ہے وہ میری ماں ہے
میرا دل ہے جو میری جان ہے وہ میری ماں ہے
میرے خدایا اور اس کا رتبہ عظیم کرنا
میری زمین کا جو آسماں ہے وہ میری ماں ہے

دنیا میں محبت کے بے شمار رشتے موجود ہیں، مگر ماں کا رشتہ ان سب میں منفرد، مقدس اور بے مثال ہے۔ یہ وہ ہستی ہے جو انسان کو صرف زندگی ہی نہیں دیتی بلکہ جینے کا سلیقہ، محبت کا شعور، برداشت کا حوصلہ اور قربانی کا مفہوم بھی سکھاتی ہے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے، اس کی آواز پہلی لوری اور اس کی دعا انسان کی زندگی کا سب سے مضبوط سہارا ہوتی ہے۔ انسان دنیا کی ہر آسائش حاصل کر لے، مگر ماں کی شفقت جیسا سکون کہیں اور نہیں پا سکتا۔

عالمی یومِ ماں (10 مئی) محض ایک رسمی دن نہیں بلکہ اس عظیم ہستی کے احترام، محبت اور قربانیوں کو یاد کرنے کا موقع ہے جس نے اپنی پوری زندگی اولاد کے نام کر دی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ماں کی محبت کسی ایک دن کی محتاج نہیں۔ اس کا وجود اولاد کے لیے ایک ایسا سایہ دار درخت ہے جس کی ٹھنڈک عمر بھر سکون دیتی ہے۔

ماں کی عظمت کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ شاعر نے کتنی خوبصورتی سے ماں کی حیثیت کو یوں بیان کیا ہے:

محبتوں کے سبھی حوالے ہیں یقیناً گلوں کی مانند
جوان گلوں کی بھی باغباں ہے وہ میری ماں ہے

واقعی ماں وہ مالی ہے جو اپنی اولاد کی شخصیت کو محبت، تربیت اور دعا کے پانی سے سینچتی ہے۔ وہ اولاد کی خوشیوں کے لیے اپنے خواب قربان کر دیتی ہے۔ راتوں کی نیند، دن کا سکون، اپنی خواہشات اور اپنی آسائشیں سب کچھ اولاد کے مستقبل پر نچھاور کر دیتی ہے، مگر کبھی زبان پر شکوہ نہیں لاتی۔

اسلام نے ماں کو جو مقام عطا کیا، وہ دنیا کے کسی اور فلسفے یا نظام میں دکھائی نہیں دیتا۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ماں کی خدمت کو جنت کا راستہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ”جنت ماں کے

قدموں تلے ہے۔'' یہ صرف ایک جملہ نہیں بلکہ ماں کے مقام کی سب سے بڑی گواہی ہے۔ اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ ماں کی خدمت صرف اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ عبادت ہے۔

بدقسمتی سے آج کا جدید معاشرہ ترقی اور مصروفیات کی دوڑ میں خاندانی رشتوں کی حرارت کھوتا جا رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر محبت کے دعوے بہت کیے جاتے ہیں، مگر عملی زندگی میں اکثر والدین خصوصاً مائیں تنہائی کا شکار دکھائی دیتی ہیں۔ اولاد اپنی کامیابیوں، ملازمتوں اور مصروفیات میں اس قدر الجھ جاتی ہے کہ انہیں وہ ہاتھ یاد نہیں رہتے جنھوں نے بچپن میں ان کی انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔

اکثر گھروں میں بوڑھی مائیں صرف چند لمحوں کی توجہ، محبت بھرے لہجے اور دو میٹھے لفظوں کی منتظر رہتی ہیں۔ انہیں قیمتی تحفے نہیں چاہییں ہوتے بلکہ اولاد کا وقت، عزت اور اپنائیت درکار ہوتی ہے۔ ماں کی سب سے بڑی خوشی اولاد کی محبت ہے، اور اس کا سب سے بڑا دکھ اولاد کی بے اعتنائی۔

مدرز ڈے ان لوگوں کے لیے اور بھی زیادہ جذباتی بن جاتا ہے جن کی مائیں اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں۔ ماں کی جدائی ایسا خلا ہے جو کبھی پُر نہیں ہوتا۔ وقت گزر جاتا ہے، زندگیاں بدل جاتی ہیں، مگر ماں کی یاد دل کے کسی نہ کسی گوشے میں ہمیشہ سانس لیتی رہتی ہے۔ انسان جب بھی کسی مشکل میں گھرتا ہے تو بے اختیار ماں یاد آتی ہے، کیونکہ دنیا میں ماں جیسا مخلص سہارا کوئی نہیں۔

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی والدہ کے انتقال پر جو درد محسوس کیا، وہ ہر اس شخص کی کیفیت بیان کرتا ہے جو ماں کے سائے سے محروم ہے۔

''کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار''

اس شعر میں محض ایک شاعر کے جذبات نہیں بلکہ ہر اس انسان کے آنسو ہیں جو ماں کے سایۂ شفقت سے محروم ہو چکا ہو۔ ماں کے دنیا سے جانے کے بعد انسان کو احساس ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک فرد نہیں بلکہ پورے گھر کی روح تھی۔ اس کے بعد گھر تو وہی رہتا ہے مگر سکون، اپنائیت اور دعا کی وہ خوشبو کہیں کھو جاتی ہے۔

میری اپنی مرحومہ والدہ بھی میرے لیے محبت، دعا، شفقت اور حوصلے کا وہ چراغ تھیں جن کی روشنی آج بھی میری زندگی کے اندھیروں کو کم کرتی ہے۔ ان کا لہجہ، ان کی نصیحتیں، ان کی دعائیں اور ان کی بے لوث محبتیں آج بھی میرے دل کی دنیا میں زندہ ہیں۔ انسان زندگی میں جتنا بھی مضبوط ہو جائے، ماں کی کمی اسے اندر سے کمزور کر دیتی ہے۔

آج عالمی یومِ ماں کے موقع پر میرا دل اپنی مرحومہ والدہ کی یاد سے بھر آتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ میری والدہ مرحومہ کی کامل مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے درجات بلند کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ ماں صرف ایک فرد نہیں بلکہ پورے معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے۔ ایک اچھی ماں ہی ایک اچھا انسان، ایک بہترین نسل اور ایک باکردار معاشرہ تشکیل دیتی ہے۔ اگر گھروں میں ماؤں کی عزت، تربیت اور محبت کو اہمیت دی جائے تو معاشرے میں نفرتوں کے بجائے محبتیں، سختیوں کے بجائے نرمی اور بے حسی کے بجائے احساس جنم لیتا ہے۔

عالمی یومِ ماں ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ماں کی محبت اور خدمت کو صرف نعروں یا سوشل میڈیا پیغامات تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ عملی زندگی میں اس کا حق ادا کیا جائے۔ جن کی مائیں حیات ہیں وہ ان کی قدر کریں، ان کے ساتھ وقت گزاریں، ان کی دعائیں حاصل کریں اور ان کی خدمت کو سعادت سمجھیں۔ اور جن کی مائیں اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں وہ ان کے لیے دعا، ایصالِ ثواب، صدقۂ جاریہ اور نیک اعمال کا اہتمام کریں، کیونکہ ماں دنیا سے جا کر بھی اپنی محبت کی خوشبو اولاد کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھتی ہے۔

بلاشبہ ماں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سب سے خوبصورت مظہر ہے۔ ماں وہ دعا ہے جو انسان کے ساتھ چلتی رہتی ہے، وہ سایہ ہے جو دھوپ میں بھی ٹھنڈک دیتا ہے، اور وہ چراغ ہے جو دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی دلوں میں روشن رہتا ہے۔

اے اللہ! تو رحیم و کریم ہے، ماں کی محبت کو اپنی رحمت کا حسین مظہر بنایا ہے۔ جو مائیں اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں، انہیں اپنی بے پایاں رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرما، ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، ان کے درجات بلند فرما اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کر۔ آمین یارب العالمین۔

غزلیں

سلیم کاوش

(ریاض)

آج بھی تیرا انتظار رہا
آج کا دِن بھی یادگار رہا

خواہشِ دِل کہ بَرقرار رہی
دامنِ دِل کہ تار تار رہا

اِک خُوشی آنکھ میں سمائی رہی
ایک غم دِل کے آر پار رہا

تُو ہی وہ راز ہے زمانے کا
جو فقط مُجھ پہ آشکار رہا

اپنی ہَستی کا اعتبار کِسے
تیرے وعدے کا اعتبار رہا

پھر مِلے تو ضرور جی لیں گے
زندگی ! ہم پہ یہ اُدھار رہا

شہر میں ہے عجیب سناٹا
رات بھر کون بے قرار رہا

خُود فراموش ہو گیا کاوش
یُوں کوئی یاد بار بار رہا

ریاض انور بُلڈانوی

ہم مر گئے ، ملال کسی نے نہیں کیا
کیسے مرے؟ سوال کسی نے نہیں کیا

پتوار ہم نے کرلیا طوفاں میں عزم کو
دُنیا میں یہ کمال کسی نے کیا

خود اپنی بے حسی کے سبب ہو گیا محال
جینا مرا محال کسی نے نہیں کیا

ہنس کر گلے لگا لیا اپنے رقیب کو
یہ کارِ بے مثال کسی نے نہیں کیا

رودادِ کربِ عشق پھرے پوچھتے مگر
کیوں جانے عرضِ حال کسی نے نہیں کیا

انور حصولِ زر میں سبھی محو ہو گئے
اعمال کا خیال کسی نے نہیں کیا

نگار عظیم

گزر گیا جو زمانہ عجیب لگتا ہے
گئی رُتوں کا فسانہ عجیب لگتا ہے

تم اپنے ساتھ ہی لے جاؤ اپنی یادوں کو
کہ چشمِ نم کا چھپانا عجیب لگتا ہے

گلہ کیا نہ کبھی تم سے بے وفائی کا
لبوں پہ آہ کا آنا عجیب لگتا ہے

نہ ہاں نہ ہوں نہ کوئی سلسلہ نگاہوں کا
یہ خامشی کا فسانہ عجیب لگتا ہے

کبھی زمانے کی ہر شے سے پیار تھا مجھ کو
ترے بغیر زمانہ عجیب لگتا ہے

ہر ایک زخم مرا پھول بن گیا شاید
کہ اب بہار کا آنا عجیب لگتا ہے

کسی کے پیار کا شعلہ بجھا دیا تھا نگارؔ
وہ شعلہ پھر سے جلانا عجیب لگتا ہے

آئینہ جب دکھایا مستقبل

ڈاکٹر انجم شکیل احمد
(مدینۃ المنورہ)

انجینئر انور شہر کے مانے ہوئے سول انجینئروں میں تھے اور ایک بڑی کنسٹرکشن کمپنی میں چیف انجینئر کے عہدہ پر فائز تھے۔ شہر کی بہترین کالونی میں اپنے ذاتی بنگلہ میں رہتے تھے، جو زندگی کی ساری سہولتوں سے آراستہ تھا۔ دو بچوں کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ کا دیا سب کچھ تھا، عزت، نام، پیسہ سب کچھ۔ اپنے کام میں بے حد مصروف، اپنے کام سے کام رکھنے والے انسان تھے۔ دفتر کے فارغ اوقات میں بیوی بچوں پر وقت صرف کرتے تھے۔ چھٹیوں میں دو ایک دن کے لیے باہر بھی چلے جاتے۔ اسکولوں میں چھٹیوں کی وجہ سے دونوں بچے دس سالہ نازنین اور سات سالہ طارق گھر میں لڑائی جھگڑے، اور شرارت میں لگے رہتے تھے۔ آج چھٹی کے دن وہ کچھ آفس کا کام سکون سے کرنا چاہتے تھے۔ ایک تو ذرا شور شرابہ کم ہو اور دوسرے وہ دونوں کو مصروف رکھنے کے لئے انھوں نے ایک ترکیب سوچی۔ صبح ناشتہ کے بعد اپنا لیپ ٹاپ کھولنے سے پہلے وہ دونوں کو اپنے پاس بلا کر پوچھنے لگے کہ وہ بڑے ہو کر کیا بننا چاہینگے۔ نازنین نے فوراً کہا کہ وہ ایک ادیبہ بننا چاہتی ہے اور طارق نے کہا کہ وہ انکی طرح ایک بڑا انجینئر بننا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا یوں کرو نازنین تم ایک چھوٹی سی کہانی جو بھی موضوع تمہیں پسند ہو اس پر لکھ کر بتاؤ اور طارق تم اپنا ڈرائنگ پیپر، پینسل، کلر پینسل لیکر آؤ اور تم اپنے لئے کیسا گھر چاہتے ہو اسکی ڈرائینگ کر کے بتاؤ۔ تم دونوں کے لئے دو گھنٹہ کا وقت ہے، ہاں مگر لڑائی جھگڑا، شور شرابہ بلکل نہیں ہونا چاہیے۔ الگ الگ بیٹھ کر کام پورا کرو۔ ان دونوں کو کام دیکر وہ خود اپنے کام میں لگ گئے۔ دیے ہوئے وقت سے کچھ پہلے انھوں نے نازنین کو اسٹوری سنانے کا کہا اور اسکی

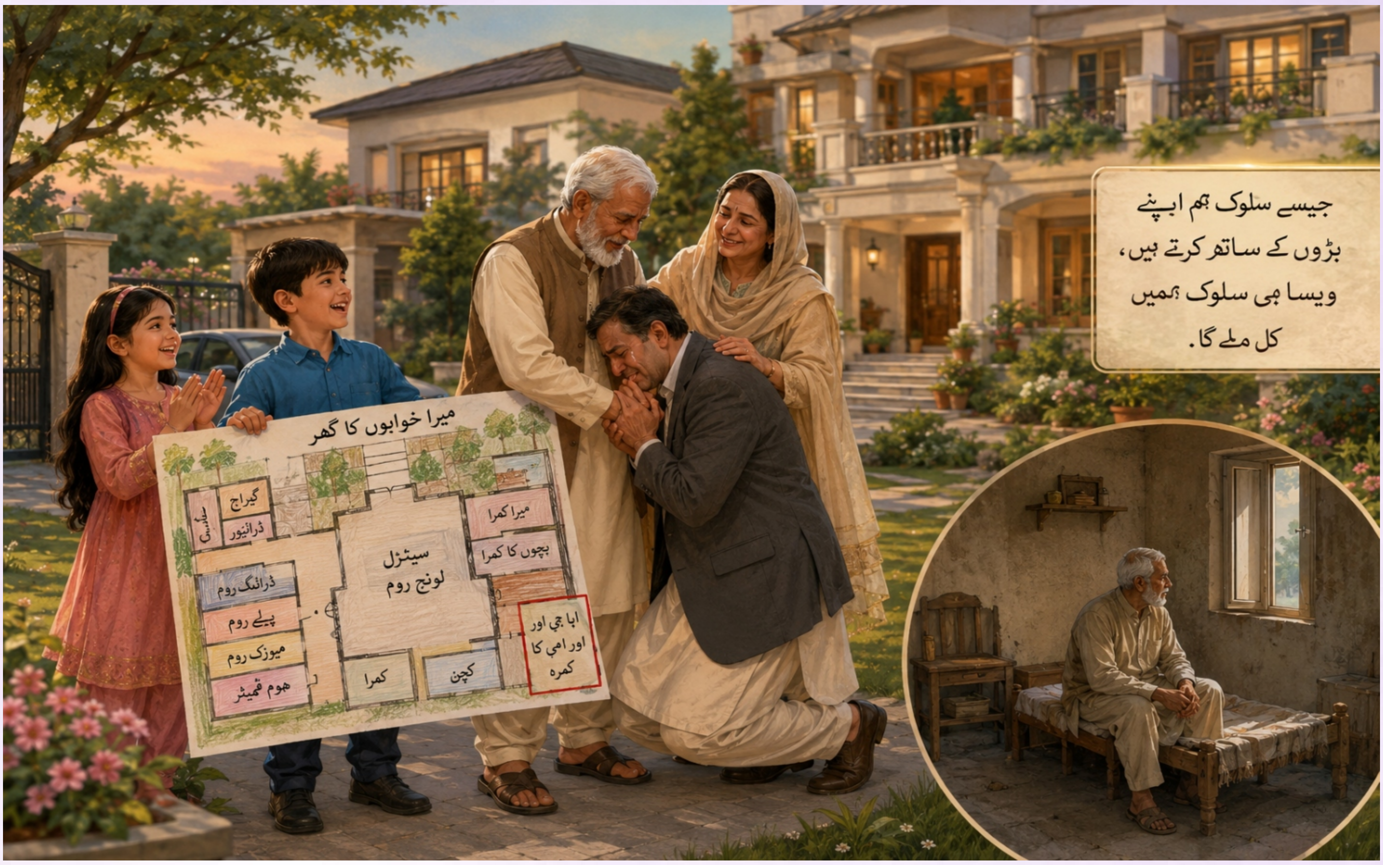

لکھی ہوئی کہانی کو سراہ کر طارق کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ طارق اپنا ڈرائینگ لیکر آؤ۔ طارق اپنا ڈرائینگ کیا ہوا اپنے خیالوں میں اپنے ہونے والے مستقبل کے گھر کا نقشہ لیکر آ گیا۔ ٹیبل پر کاغذ پھیلا کر بتانے لگا کے میں ایسا بنگلہ بناؤں گا اپنے لیے۔ دیکھیں یہ بڑا کمپاؤنڈ اور مین گیٹ سے لگ کر گیراج اور اسکے ساتھ ہی ڈرائیور کا کمرہ، گھر میں داخلہ سے قبل سیدھے ہاتھ کی طرف میرے اور میرے دوستوں کے لیے ڈرائینگ روم اور بائیں ہاتھ کی طرف پلے روم، میوزک روم اور ہوم تھیٹر۔ اندر داخل ہوتے ہی گول سنٹرل لیونگ روم، لیونگ روم میں کھلتے ہوئے دو روم ایک میرے لیے اور دوسرا بچوں کے لیے، اور آخر میں لیونگ روم میں کھلتا ہوا کچن۔ وہ تفصیل سے ایک ایک چیز سمجھا تا جا رہا تھا، انور اور اسکی بیوی بہت خوشی اور دلچسپی سے ہونے والے انجینئر کے نقشہ اور خیالات کو دیکھ اور سمجھ رہے تھے۔ اچانک انجینیر انور کے ذہن میں ایک بات آئی، کہنے لے بیٹا طارق یہ تو سب ٹھیک ہے مگر اس میں کیا تمہیں ایک چیز کم نظر نہیں آ رہی ہے۔ طارق حیرت سے انکی طرف دیکھ کر کہا کیا، انہوں نے بڑے پیار سے پوچھا کہ تمہارے اس گھر میں ہمارے لیے یعنی میرے اور تمہاری امی کے لیے کوئی کمرہ نظر نہیں آیا۔ طارق یکدم سے بول پڑا نہیں ایسا نہیں ہے، اپکا کمرہ بھی پلان کیا ہوا ہوں۔ وہ دیکھیے گھر کی باونڈری کے پچھلے حصہ کے آخری کونے میں یہ ایک چھوٹا سا کمرہ آپ لوگوں کے لیے ہوگا۔ انور اور انکی بیگم حیرت اور تعجب کے احساس کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، انور نے کہا کیوں گھر کے باہر اور اتنی دور کیوں؟

طارق ان کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگا، کیوں - کیا بات ہے، دادا جی کا کمرہ بھی تو ایسا ہی ہے نا، ہمارے گھر کے کونے میں، گھر سے دور جہاں وہ اکیلے رہتے ہیں۔ انور اور انکی بیگم کو ایسا لگا کہ جیسے کسی نے انکے اوپر ڈھیروں پانی ڈال دیا ہو۔ انہیں لگا کہ ایک چھوٹے سے بچے نے انہیں انکے اپنے والدین سے انکے منفی سلوک اور منفی رویہ کو انکے ساتھ بھی پیش آنے کی پیشین گوئی کردی ہو۔ انکی سمجھ میں آ گیا جو سلوک وہ اپنے بوڑھے والد کے ساتھ برت رہے تھے وہ اس چھوٹے بچے کے دماغ میں گھر کر رہا تھا اور وہ سیکھ رہا تھا کہ اسکا باپ جو اسکے لیے اسکا آئیڈیل ہے جو وہ کر رہا ہے صحیح ہے اور اسے بھی وہی کرنا ہے۔

انور دھپ سے صوفے پہ گر گیا اور زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا اے اللہ! مجھے معاف کرنا، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی، انکی بیگم بھی نادم نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ اپنی بیگم کا ہاتھ تھام کر بچوں کو لیکر تیز تیز گھر کے کونے میں بنے چھوٹے سے اکیلے کمرے کی طرف جانے لگا، کمرے میں انور کے بوڑھے والد ایک چھوٹے سے بے آرام پلنگ پر بیٹھے باہر کچھ تک رہے تھے، انور، اسکی بیگم اور بچوں کو آتا دیکھ کر وہ چونک گئے، فیملی کا اس طرح انکی طرف آنا دیکھ کر انہیں حیرت سی ہوئی۔ انور اندر آ کر انکے پیروں پر گر گیا، رو رو کر کہنے لگا ابا جی ہمیں معاف کرنا، ہم نے آپکے ساتھ بہت ذیادتی کی ہے۔ اٹھیے چلیے، اب آپ یہاں نہیں رہینگے۔ انور کے والد پہلے ہی سے حیرت ذدہ تھے اب اسکے اس جملہ پر کہ اب آپ یہاں نہیں رہینگے وہ اور چونک گئے۔ انور اور انکی بیگم انہیں سہارا دیکر پلنگ سے اٹھانے لگے تو وہ بیچارگی سے بولنے لگے کہ بیٹا کیا مطلب کہ اب میں یہاں نہیں رہونگا، کہیں تم مجھے بزرگوں کے گھر میں داخل کرنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے، بیٹا ایسا ظلم نہ کرنا، میں یہیں ٹھیک ہوں، گھر کے اندر نہ ہوں تو کیا ہوا گھر میں تو ہوں، مجھے بزرگوں کے گھر میں نہیں بھیجنا۔ انور زور زور سے رونے لگا، انکی پیشانی اور چہرے کو چومتے ہوے کہنے لگا نہیں ابا جی اب آپ اس کمرے میں نہیں بلکہ گھر کے اندر ہمارے ساتھ رہینگے، اور جو کچھ یہ زیادتی آپکے ساتھ ہوئی ہے آپ اسے معاف کردیں۔ وہ دونوں انہیں سہارا دیکر گھر کی اندر کی طرف لے چلے۔ پیچھے دونوں بچے خوشی خوشی دادا جی گھر میں آ رہے ہیں، دادا جی گھر میں آ رہے ہیں کہکر تالیاں بجاتے آ رہے تھے۔

گھر میں داخل ہوکر انور کے والد الحمدللہ کہہ کر سجدہِ شکر میں گر گئے۔ انکی بیوی انہیں چائے دیکر ابا جی آپ بیٹھیئے میں آپکا روم سیٹ کر کے آتی ہوں کہکر اندر چلی گئی۔ وہ انور کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھے بیٹا یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی، انور نے طارق کی بنائی ہوئی تصویر دکھا کر ساری کہانی سنائی اور کہا کہ طارق نے بہت صحیح وقت پر ہمیں آئینہ دکھایا۔

سماجی جہدکار

مہتاب قدر

شام کا دھندلکا آہستہ آہستہ بستی پر اتر رہا تھا۔گلی کے نکڑ پر کھڑا پرانا برگد جیسے برسوں کی کہانیاں اپنے سینے میں دبائے خاموش تھا۔اسی درخت کے نیچے آج پھر لوگ جمع تھے۔موضوع وہی تھا،پانی،بجلی، ٹوٹی سڑکیں اور نوجوانوں کی بے روزگاری۔

ان سب کے درمیان ایک دبلا پتلا آدمی خاموشی سے بیٹھا تھا۔نام تھا سلیم۔بستی والے اُسے "سماجی جہدکار" کہتے تھے۔اس لیے نہیں کہ وہ کوئی بڑا لیڈر تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا تھا۔

سلیم کبھی اخبار کے دفتر جاتا، کبھی سرکاری دفتروں کے چکر لگاتا، کبھی کسی غریب طالب علم کی فیس جمع کرتا اور کبھی اسپتال میں کسی مریض کے لیے خون کا انتظام کرتا۔لوگ حیران ہوتے کہ آخر وہ یہ سب کیوں کرتا ہے؟

ایک دن محلے کے رئیس آدمی حاجی بشیر نے طنز سے کہا:

"سلیم! تمہیں اس خدمت سے کیا ملتا ہے؟ نہ دولت، نہ شہرت۔آخر کیوں اپنی زندگی ضائع کرتے ہو؟"

سلیم مسکرایا۔

"حاجی صاحب! اگر میرے چھوٹے سے کام سے کسی کی آنکھ میں امید جگ جائے تو یہی میری کمائی ہے۔"

لوگ خاموش ہو گئے۔

چند ہفتوں بعد بستی میں بارش نے تباہی مچا دی۔کئی کچے گھر گر گئے۔سرکاری امداد ابھی تک نہ پہنچی تھی۔ایسے میں سلیم نے نوجوانوں کو جمع کیا۔کسی نے کھانا بنایا، کسی نے کپڑے جمع کیے، کسی نے بچوں کو محفوظ جگہ پہنچایا۔سلیم خود رات بھر بھیگتا رہا مگر کسی کے چہرے پر مایوسی نہ آنے دی۔

صبح جب سورج نکلا تو بستی کے لوگ پہلی بار خود کو تنہا محسوس نہیں کر رہے تھے۔

اسی دوران خبر آئی کہ سلیم شدید بخار میں مبتلا ہو کر اسپتال پہنچ گیا ہے۔پوری بستی پریشان ہو گئی۔وہی لوگ جو کبھی اُس کا مذاق اڑاتے تھے، آج اسپتال کے باہر دعائیں مانگ رہے تھے۔

حاجی بشیر نے دھیمی آواز میں کہا:

"ہم نے آج جانا کہ اصل دولت انسانیت ہے،اور سلیم ہم سب سے زیادہ امیر ہے۔"

کچھ دن بعد سلیم صحت یاب ہو کر واپس آیا۔بستی کے بچوں نے پھول پیش کیے۔بوڑھی عورتوں نے دعائیں دیں۔نوجوانوں نے اعلان کیا کہ اب وہ بھی سماجی خدمت میں اس کا ساتھ دیں گے۔

سلیم نے آسمان کی طرف دیکھا۔شام کے سائے پھر پھیل رہے تھے، مگر اس بار بستی میں اندھیرا نہیں تھا۔کیونکہ ایک سماجی جہدکار نے لوگوں کے دلوں میں روشنی جگا دی تھی۔

قلم قافلہ

ندیم ماہرؔ

نام: سید ندیم اختر قاسمی

والد: مولانا سید نسیم الدین (مرحوم)

آبائی وطن: قصبہ گلاؤٹھی، ضلع بلند شہر (یوپی۔ ہندوستان)

تاریخ پیدائش: 10 جنوری 1970ء

تعلیم: ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

فاضل دارالعلوم دیوبند

ایم اے۔ دینیات (علیگڈھ مسلم یونیورسٹی)

پیشہ: سرکاری ملازمت

میدان عمل: اسلامی اسکالر، عربی ادب، شاعری، صحافت، ترجمہ اور خطابت۔

مطبوعہ کتب

1۔ شعری مجموعہ ''دستکوں کے نشان'' (2014ء) (دوحہ قطر)

2۔ ''کلامِ شمس'' (ہم عصر غالبؔ حافظ سید شمس الدین شمسؔ) 2016ء (دہلی)

3۔ ''تذکرہ سادات گلاؤٹھی'' 2017 (کراچی۔ پاکستان)

4- ''حیاتِ اخترؔ'' (مولانا سید حمید الدین اخترؔ کی حیات وشخصیت اور شاعری) 2018، دوحہ قطر۔

5- ''عکسِ یوسف'' ماہر آثار قدیمہ جناب یوسف کمال بخاری (مرحوم) کے سولہ مضامین پر تحقیقی کتاب 2016

6۔ ''قطر کی ناکہ بندی'' (الجزیرہ کی کتاب ''حصار قطر'' کا اردو ترجمہ 2019, دوحہ قطر/ استنبول ترکی

7۔ ''سوشل میڈیا فوائد و نقصانات'' 2023

8- ''اصلاحِ معاشرہ اور ہماری ذمہ داری'' 2023

9- ''کراچی نامہ'' سفرنامہ کراچی 2024ء

زیر ترتیب کتب

1۔ ''قطر کی تاریخ'' بزبان اردو

2۔ ''بیاضِ حامدؔ'' (والد محترم مولانا سید نسیم الدین حامد الحسینی کا شعری مجموعہ)

3۔ ''گلاؤٹھی-ایک ادبی بازیافت'' گلاؤٹھی کا ادبی منظرنامہ ماضی، حال اور مستقبل

4۔ دوسرا شعری مجموعہ ''کاغذ کی دیواریں''

کچھ ایسی کتابیں جن پر بحیثیت مترجم اور مرتب کام کیا

1- 2010 ''دروس المساجد''

2۔ 2011ء ''اسلام میں رواداری''

3۔ 2019ء ''ثمرات''

ادبی سرگرمیاں

1۔ صدر انجمن محبان اردو ہند، دوحہ قطر

2۔ سابق صدر (بزم علیگ) علی گڈھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن (قطر)

3۔ جنرل سکریٹری۔ گلف اردو کونسل

سنگ میل

بطور مندوب اور دوحہ قطر کی نمائندگی کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔

سیمیناروں میں شرکت

''اردو کا مہجری ادب'' گلف اردو کونسل کے زیر اہتمام 2016ء میں جدہ (سعودی عرب) میں بحیثیت مقالہ نگار شرکت کی۔

1998ء میں ملّاپورم (کیرالا) میں دارالہدی اکیڈمی کے پروگرام میں بحیثیت مقالہ نگار شرکت کی، مقالے کا عنوان تھا ''تعلیمی نظام میں مکاتب کی اہمیت''۔

مشاعروں میں شرکت

پاکستان، کویت، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، بحرین، مسقط اور پاکستان کے علاوہ ہندوستان کی بیشتر ریاستوں میں بحیثیت شاعر شرکت کی۔

اعزاز

بہار اُردو اکیڈمی نے 2016ء میں ''دستکوں کے نشان'' کی اشاعت پر ایوارڈ سے سرفراز کیا۔

اسلم رحمانی
(جے۔این۔یو۔نئی دہلی)

ایک عہد کا اختتام

ڈاکٹر محمد گوہر کی رحلت اردو صحافت کا ناقابلِ تلافی نقصان

روزنامہ تاثیر اردو کے چیف ایڈیٹر، ممتاز صحافی اور باوقار قلم کار ڈاکٹر محمد گوہر صاحب کے انتقال کی خبر نے علمی و صحافتی حلقوں میں ایک گہرا خلا پیدا کر دیا ہے۔ رانچی کے آرکڈ ہاسپٹل میں پچھلے مہینے ان کا انتقال محض ایک فرد کا دنیا سے رخصت ہونا نہیں، بلکہ ایک ایسے عہد کا خاتمہ ہے جس نے اردو صحافت کو وقار، سنجیدگی اور فکری بصیرت عطا کی۔

إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

یہ افسوسناک خبر راقم کو بہار قانون ساز کونسل کے معزز رکن قاری صہیب کے ذریعے موصول ہوئی۔ خبر سنتے ہی دل و دماغ پر جیسے بجلی سی گر پڑی، ایک لمحے کو یقین نہ آیا کہ وہ شخصیت جو کل تک اپنی تحریروں، اداریوں اور فکری رہنمائی کے ذریعے زندہ و متحرک تھی، آج ہم میں موجود نہیں رہی۔ خبر کی تصدیق کے لیے راقم نے روزنامہ تاثیر کے چیف مینیجر اوم سنگھ اور دہلی بیورو چیف سید شمیم سے رابطہ کیا۔ دونوں نے جب اس اندوہناک خبر کی تصدیق کی تو دل غم سے بوجھل ہو گیا اور آنکھیں بے اختیار اشکبار ہو گئیں۔

ڈاکٹر محمد گوہر صاحب اردو صحافت کا ایک معتبر نام تھے۔ ان کی صحافتی زندگی دیانت، جرات اور غیر جانب داری کی روشن مثال رہی۔ انہوں نے ہمیشہ حق و صداقت کی آواز بلند کی اور اپنے قلم کو کبھی مصلحت کا اسیر نہیں ہونے دیا۔ روزنامہ تاثیر کے پلیٹ فارم سے انہوں نے نہ صرف خبروں کی ترسیل کو ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا بلکہ معاشرتی، سیاسی اور تہذیبی مسائل پر سنجیدہ مکالمہ بھی قائم کیا۔ ان کی تحریروں میں گہرائی، توازن اور فکری پختگی نمایاں ہوتی تھی۔ وہ محض ایک مدیر نہیں بلکہ ایک رہنما تھے، جنہوں نے نئی نسل کے صحافیوں کی تربیت بھی کی اور انہیں صحافت کے اصولوں سے روشناس کرایا۔ ان کا اسلوب نرم مگر مؤثر، اور ان کی سوچ وسیع مگر حقیقت پسندانہ تھی۔

ڈاکٹر گوہر صاحب کی رحلت اردو صحافت کے لیے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ ان کی کمی مدتوں محسوس کی جائے گی۔ ان کے چاہنے والے، شاگرد اور ہم عصر سب آج غم کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ وہ اپنی تحریروں، نظریات اور خدمات کے ذریعے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، ان کی مغفرت کرے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔ آمین۔

ادارہ اردو گلبن ڈاکٹر گوہر کے اہل خانہ و لواحقین کے غم میں شریک ہے اور مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا گو بھی۔

"تم تو ٹھہرے پردیسی" کے خالق شاعر ظہیر عالم سے ملاقات

ڈاکٹر اظہر حیات
(ناگپور، یکم مئی ۲۰۲۶ء)

اردو کے معروف شاعر ظہیر عالم صاحب کی طبیعت آج کل ناساز ہے۔ ان کی عیادت کے لیے ہم ان کی رہائش گاہ واقع کامٹی روڈ کی طرف روانہ ہوئے۔ ناگپور ان دنوں سخت گرمی کی لپیٹ میں ہے۔ شام ڈھلے تک بھی سخت گرمی ہوتی ہے، اس لئے ہمارے دوست قبلہ شیخ عبدالوحید صاحب نے مشورہ دیا کہ نو بجے شب جانے کا مناسب وقت ہوگا۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق ہم دونوں گھر سے نکل تو گئے مگر کامٹی روڈ پر ٹریفک کا ہجوم دیکھ کر خدا یاد آ گیا۔

بہر کیف خراماں خراماں ہم جناب ظہیر عالم صاحب کی دہلیز تک پہنچ ہی گئے۔ جی ہاں آپ نے صحیح پہچانا۔ وہی ظہیر عالم جن کا شہرہ آفاق گیت "تم تو ٹھہرے پردیسی، ساتھ کیا نبھاؤ گے" ایک عالم میں مقبول ہوا، جس نے ایک زمانے میں غیر فلمی گیتوں کی دنیا میں مقبولیت کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا تھا۔

اسی طرح ان کے دیگر گیت بھی مقبول عام ہیں۔

ماں تیرے دودھ کا حق ہم سے ادا کیا ہوگا
تو جو ناراض ہو، خوش ہم سے خدا کیا ہوگا

اور "مسلمانو سنبھل جاؤ قیامت آنے والی ہے" جیسے مقبول خاص و عام گیتوں کے خالق جناب ظہیر عالم ہیں۔

ہم جب ان کے گھر پہنچے تو انہیں دیکھ کر دل کو دھچکا سا لگا۔ اللہ خیر کرے۔ لحیم شحیم ظہیر عالم صاحب بستر علالت پر ہیں۔ گو کہ وہ کرسی پر بیٹھے تھے لیکن اپنی کرسی سے اٹھ بھی نہ سکے۔ واکر کے سہارے اٹھنے کی ناکام کوشش کی مگر ہم نے انہیں منع کر دیا۔

ظہیر عالم صاحب جسمانی اعتبار سے کمزور ضرور ہیں لیکن دماغی طور سے وہ مستعد اور تندرست ہیں۔ انھیں بے شمار اشعار اب بھی ازبر ہیں۔

انھوں نے دو ایسے شعر بھی سنائے جس میں عجیب قسم کی کیفیت اور مایوسی کا احساس ہوا۔ ملاحظہ ہو:

مجھ کو معلوم ہے دُنیا کی حقیقت کیا ہے
زندگی تو بھی چلی جائے گی دھوکہ دے کر

کیا اب نباہ کی کوئی صورت نہیں رہی
اے روح جا رہی ہے بدن چھوڑ کر کہاں

ظہیر عالم ایسے خوش نصیب شاعر ہیں کہ ان کے اشعار تو سرحد پار بھی مقبول ہیں۔ جیسے یہ شعر دیکھئے:

گھر سے نکلو تو پتا جیب میں رکھ کر نکلو
حادثہ چہرے کی پہچان مٹا دیتا ہے

خاموش مزاجی تمھیں جینے نہیں دے گی
اس دور میں جینا ہے تو کہرام مچا دو

میرے بچوں کا صبر بھی کیا مثالی ہے
جا رہے ہیں میلے میں اور جیب خالی ہے

اپنے بچوں کو بھی پیار نہیں دے سکتا
آدمی اتنے مسائل میں گھرا ہے صاحب

ایسے بے شمار اشعار، گیت اور غزلیں تخلیق کرنے والا شاعر آج علیل ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ جناب ظہیر عالم صاحب کو صحت کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

آمین ثمہ آمین یارب العالمین

شکاگو میں آرا کا منعقدہ مشاعرہ

آرکیٹکٹ عبدالرحمن سلیمؔ
(شکاگو)

AARA - آرا - امریکن اسوسی ایشن آف ریٹائرڈ ایشینس کے زیر اہتمام نیپرول میں 5 مئی 2026ء کو محفل مشاعرہ منعقد ہوی جسکے داعی آرکیٹکٹ عبدالرحمن سلیم تھے اور اس مشاعرہ کی نظامت بھی انھوں نے کی۔ شکاگو کے سینئیر محبان اردو نے اس تقریب میں شرکت کی۔ اور محبان اردو کمیونٹی نے اس پروگرام کے انعقاد کے لیے AARA، خاص طور پر ڈاکٹر طلعت رضوی اور محترمہ شمیم چالیسا اور ان کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا۔

ظہرانہ کے بعد محفل کا آغاز ہوا- مشاعرہ کی صدارت ڈاکٹر توفیق انصاری آحمدؔ نے فرمائی۔ محترمہ شمیم چالیسا صاحبہ نے سب سے پہلے آرا کی جانب سے حاظرین کا خیر مقدم کیا اور اس خوبصورت محفل میں شرکت کرنے والے سب سینئیر اراکین آرا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آرکیٹکٹ عبد الرحمن سلیمؔ کو اس محفل کی نظامت کے لئے مدعو کیا اور کہا کہ ان کے تعاون کے بغیر اس محفل کا انعقاد بہت مشکل تھا۔

ناظم مشاعرہ نے سب سے پہلے لندن سے آئے ہوئے شکاگو میں مہمان شاعر اویس افضال کو دعوت دی۔ اویس افضال نے اپنی دو نظمیں پیش کیں۔ کچھ اشعار ان کی ایک نظم سے ہے:

میری بات بیچ میں رہ گئی
تیرے اردگرد بہت شور تھا
نہ میں کہہ سکا نہ وہ سن سکا
میری بات بیچ میں رہ گئی

اویس افضال کے بعد شمیم چالیسا صاحبہ نے نظامت کے لئے مائیک اے آر سلیم کے حوالہ کیا- انھوں نے بتایا کہ محفل مشاعرہ اور اس میں ساتھ دینے کے لئے آج ہندوستان سے تشریف لائے ممتاز شاعر سید نوید جعفری اور شکاگو لینڈ کے بہترین شعرا یہاں موجود ہیں۔ ہم سب ان کا استقبال کرتے ہیں اور امید ہے کہ حاظرین محفل ان کے کلام سے محظوظ ہونگے۔ ابتدا میں ار آر سلیم نے آرا اور بالخصوص ڈاکٹر طلعت خان، محترمہ شمیم چالیسا اور ان کی پوری ٹیم کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس بہترین محفل کا اہتمام کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم اردو بولنے والے خوش قسمت ہیں کہ آرا نے اس انداز کی محفلیں منعقد کر کے ہم سب کو محظوظ ہونے کا موقع فراہم کیا۔

مشاعرہ کے آغاز پر ناظم آرکیٹکٹ سلیمؔ نے حمد باری تعالی پیش کی۔

محبت سے جینا ہے کہنا خدا کا
میاں سب سے اعلی ہے رتبہ خدا کا

سینئر شاعر راز رنگونی کو سب سے پہلے تقدیم و تاخیر کا خیال رکھے بغیر نعت کلام کے لئے دعوت دی گئی-

ان کی نعت پاک سے کچھ اشعار:

اپنوں کا بھلا چاھا ظالم کو بھی بخشا ہے
یہ طور نبی کا ہے سب ہی کو سکھانا ہے
اوروں کی نہیں پہلے خود اپنی خبر لے لو
دل تیرا بھی ظالم ہے یہی تیرا نشانہ ہے

ان کے بعد مزاحیہ اشعار کہنے والے جناب ولی الدین ولی کو دعوت کلام دی گئی انھوں نے اپنے مزاغیہ کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

اچانک کمرے میں آگئی وہ
سر پہ نہ تھی وگ گھبرا گئی وہ
جان کے بدلے ابا جان کہہ دیا
ایک پل میں اتنی عمر بڑھا گئی وہ

ان کے بعد دوبارہ راز رنگونی کو اپنا کلام

پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔

ایک سوز اور ساز ہے
تو مری آواز ہے
تو مداوا درد کا
تو مرا ہم راز ہے

راز رنگونی کے بعد ناظم مشاعرہ عبدالرحمن نے صدر مشاعرہ کی اجازت سے اپنا کلام قطعہ سے پیش کیا:

مشعلِ عزم اب جلانی ہے
روشنی انجمن میں لانی ہے
حوصلہ کر کے تم سلیمؔ
بڑھو لاج اردو کی جو بچانی ہے

قطعہ

آنکھوں میں اس کی تیرگی دیوانہ کر گئی
ساقی ایک نظر ہمیں مستانہ کر گئی
مہ پی کے ہم سدا ہی رہے بیقرار سے
نظروں کی مہ خرد سے ہی بیگانہ کر گئی

ناظم مشاعرہ کے بعد جناب سید سالم کو کلام پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔

سالم صاحب کا شکاگو کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا مگر اپنے کلام اور شاعرانہ لب و لہجے کے باعث سب جگہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔

یہ جو چہرہ کھلا سا رہتا ہے
درد کوئی دبا سا رہتا ہے
ہیں شناسائی کے یہ غم سارے
کوئی دل میں بھلا سا رہتا ہے
ایک جگنو سے دوستی کیا کی
سارا عالم جلا سا رہتا ہے

جناب سید سالم کے بعد ڈاکٹر افضال الرحمن افسر، کو ایک جامع تعارف کے ساتھ سخن سنانے کی دعوت دی گئی:

ترے جلوے کے ماسوا، کیا ہے
حسن اور حسن کی ادا ، کیا ہے
زخم دل کے ہوئے ہیں پھر تازہ
یاد جاناں ، تجھے ہوا ، کیا ہے

افسر صاحب کے بعد بھارت سے تشریف لائے شاعر جناب سید نوید جعفری کو دعوت کلام دی گئی۔ ان کے کلام سے کچھ اشعار:

ترا غم جو مل گیا ہے تو خوشی ہوئی ہے طاری
ترے نذر ہیں یہ موتی یہ ادائے اشکباری
نہیں شوق مئے کساری ہے فقط یہ شب گزاری
ترا ہجر کٹتا ہے، نہیں بس میں بے قرار
ہے غرور بے شعوری، !تری کہکشاں سواری
تری منتظر ہے ٹھوکر، تری منتظر ہے خواری

کوئی دور پربتوں پر مرے گیت گا رہا تھا
تری یاد پھر جو مہکی، لگے دل پہ زخم کاری

یہ نمائشی تبسم، ہے فریب میرے ہمدم
یہ دبی دبی سی آہیں یہ گھٹی سی آہ وزاری

ہے اندھیری رات بے شک، اے نوید شک گزیدہ
میں یہ رات کاٹ لوں گا، مجھے فکر ہے تمہاری

آخر میں صدر مشاعرہ ڈاکٹر توفیق انصاری احمد نے اپنا کلام پیش کیا- ڈاکٹر انصاری احمد دنیائے علم وادب کی اک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ ادیب، شاعر، محقق، مترجم، مبصر، ناظم و مشیر ہونے کے باوجود وہ نام ونمود سے دور ہٹ کر سادگی و خاموشی کے ساتھ ادبی و تعلیمی خدمت انجام دینا اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں۔ فرمایا:

بانٹ کے سب سے دکھ سکھ اپنا، اپنا دکھ سکھ سہتے ہیں
اپنے من کی منہ پر لاکر اپنی بپتا کہتے ہیں

ہونٹوں پہ دل بات ہے، آؤ ، چلو ، چلیں
یہ دن بھی، چاند رات ہے، آؤ، چلو، چلیں

رکنا ہے، کس کے واسطے؟ کس کا ہے انتظار؟
تم ہو، تمہارا ساتھ ہے، آؤ ، چلو، چلیں

کہاں تو چھپا ہے! زرا، پاس آجا
نظر میں، اتر جا ، جگر میں سما جا
ہے دنیا سے ، اب ، کھیلنے کا زمانہ
کھلونے نہ کھیلو، مرے بھولے راجا

آخر میں داعی محفل آرکیٹکٹ عبدالرحمن سلیم نے تمام شعراء کرام، سامعین اور آرا کے ڈاکٹر طلعت رضوی۔ محترمہ شمیم چالیسا اور ان کے رفقاء کا نام بنام شکریہ ادا کیا-

اس طرح یہ محفل آرا کیفے نیپرویل الینائے میں 3:00ے دن اختتام کو پہونچی۔

آہ! ظہیر عالم رحلت کر گئے

اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر نہایت رنج وغم کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ ۱۰؍مئی ۲۰۲۶ء کو رات ساڑھے گیارہ بجے ''تم تو ٹھہرے پردیسی ساتھ کیا نبھاؤ گے'' گیت کے خالق معروف شاعر جناب ظہیر عالم ابن عبدالحفیظ کا انتقال ہو گیا ہے۔

مرحوم سے ملاقات کا ایک مضمون ڈاکٹر اظہر حیات کی جانب سے بھیجا گیا تھا جو شامل اشاعت ہے۔ (اِدارہ)